58

ضروریاتِ اسلام کا علم حاصل کرو

(فرمودہ ۳ اکتوبر ۱۹۱۹ء)

حضور انور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس وقت دنیا کے لوگ جس طرح دنیا کے کاموں میں منہمک ہو رہے ہیں۔ اس کی مثال کسی گزشتہ زمانہ میں نہیں ملتی۔ ہر ایک زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ دُنیا داری کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں اور دُنیا کی محبت ہر ایک چیز سے زیادہ ان پر غالب ہوتی ہے۔ ہر زمانہ کے لوگ شکایت کرتے آتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگوں کی زیادہ توجہ دُنیا کی طرف ہے۔ اور دین سے بے خبر ہو گئے ہیں مگر اس زمانہ کا حال دوسرے زمانوں سے بہت مختلف ہے۔ اگر ان زمانوں میں چند مثالیں پائی جاتی ہیں کہ لوگ دین کو چھوڑ کر دُنیا کی طرف ہو گئے اور پھر اگر کثرت بھی ہو کہ لوگ دین کی نسبت دُنیا کی طرف زیادہ متوجہ ہوں تو بھی اس زمانہ کے مقابلہ میں اس وقت کی بہت اچھی حالت تھی۔ کیونکہ اس وقت سو فیصدا یسے شخص ہیں۔ جو دین کو چھوڑ کر دُنیا کی طرف متوجہ ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ دُنیا میں کوئی بھی دیندار نہیں، لیکن اس سو فیصد کہنے کے یہ معنے ہیں کہ ہزار میں سے ایک مل جائے تو مل جائے۔ ورنہ اس کا ملنا بھی مشکل ہے۔ دُنیا کی جس قدر آبادی ہے اگر ایک ہزار میں سے ایک آدمی بھی ایسا مل جائے۔ جو دین کی طرف متوجہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ کئی ہزار انسان اس قسم کے ہیں جو دُنیا کو ترک کر کے دین کی طرف ہو گئے ہیں۔

اس سوال کو علیحدہ کر کے کہ ہماری جماعت کی کتنی تعداد ہے۔ اور کتنی نہیں۔ اگر دیکھا جائے، تو ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جو دین کی طرف متوجہ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بہت لوگ ایسے ہیں۔ جن کو دین سے محبت ہے۔ دین سے اخلاص ہے۔ دین کے لیے قربانیوں کا جوش ہے۔ مگر وہ اس ذمہ داری کو نہیں سمجھتے۔ جو دین کی طرف سے ان پر عائد ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ صرف محبت و اخلاص سے کام نہیں چلا کرتا۔ جب تک محبت کے ساتھ ضروریات کا علم نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کا ایک پیارا بیٹا دوسرے کمرے

میں ہو کر چور آئیں۔ اور اس خیال سے کہ کہیں یہ بچہ شور نہ مچا وے اور ہم چوری نہ کر سکیں۔ اس کو قتل کر ڈالیں تو وہ شخص باوجود اپنے بچے سے محبت رکھنے کے اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ اس کو اس بات کا علم ہی نہ ہوگا کہ اس کے بچے کے گلے پر چھری چل رہی ہے۔ اور قتل کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ سب احمدیوں کو دین سے محبت ہے۔ اخلاص ہے۔ اور اس کے لیے قربانیاں کرتے ہیں اور کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ایسے کم ہیں جن کو علم ہو کہ دین کے لیے کسقدر قربانی کی ضرورت ہے۔ اور کیا کیا قربانیاں اس وقت درکار ہیں۔ جہاں احمدیہ سلسلہ سے باہر بہت سے ایسے لوگ ملتے ہیں کہ ان کو دین سے محبت کی بجائے نفرت ہے وہاں سلسلہ احمدیہ میں اکثر ایسے آدمی ہیں۔ جو دین سے محبت رکھتے ہیں۔ مگر وقت کی نزاکت سے بے خبر ہیں۔ جس طرح کہ بیٹے کے قتل ہونے پر بے خبر باپ آرام سے بیٹھا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ دین کے معاملہ میں غفلت میں ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ آج کوئی مظلوم نہیں۔

اسلام کی اسی مظلومیت کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ؎

اے خدا ہرگز مکن شاد آں دل تاریک را
آنکہ او را فکرِ دینِ احمدؐ مختار نیست

نبی تو کبھی بطور خود بددعا نہیں کرتا۔ نہ نبی کسی کا بدخواہ ہوتا ہے۔ مگر آپ کی زبان سے اس شعر کا نکلنا ثابت کرتا ہے کہ اس وقت دین کی کیا حالت ہے۔ اگر آپ دین کی ایسی ہی قابل رحم حالت نہ دیکھتے اور یہ نہ معلوم کرتے کہ جب تک انتہائی سرگرمی کے ساتھ دین کے معاملہ میں لوگوں کو چونکایا نہیں جاتے گا۔ اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکے گا۔ تو آپ یہ بھی نہ فرماتے۔ پس اس وقت آپ نے یہ شعر ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر کہا جو ایسے وقت بھی بیدار نہ ہو۔ بہتر ہے کہ وہ مٹا دیا جاتے۔

پس یہ مجبوری تھی۔ جس کی وجہ سے یہ کہا گیا۔ ورنہ انبیاء بددعائیں سبقت نہیں کیا کرتے۔

لیکن افسوس جماعت کے لوگوں نے اس ذمہ داری کو نہ دیکھا۔ اگر دنیا آنکھیں کھول کر دیکھتی تو معلوم ہوتا کہ کسقدر چھریاں ہیں جو اسلام کی گردن پر دھری ہوتی ہیں۔ اگر خدا کی حفاظت نہ ہو۔ تو اس کے مٹ جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی۔ کہا کرتے ہیں۔ یک انار و صد بیمار۔ مگر اسلام کی اس سے بھی گئی گزری حالت ہے۔ ہر طرف سے لوگوں نے اس کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے اور اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شکار ہو اور کروڑوں شکاری اس کے پیچھے ہوں۔ اگر خدا کی مدد کا ہاتھ اسلام کے ساتھ نہ ہو تو اسقدر دشمنوں سے کیسے نجات ہو سکتی ہے۔

لوگ روتے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومت چلی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ رونے کا تو یہ مقام ہے کہ رُوحانیت چلی گئی۔ اسلام تو اس وقت بھی اسلام ہی تھا جبکہ مسلمانوں کو حکومت نہیں ملی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بھی خدا کے نبی تھے۔ جب آپ کو بادشاہت نہ ملی تھی۔ آپ تیرہ سال مکہ میں رہے۔ کیا آپ اس وقت رسول نہ تھے۔ اور آپ کی وہ شان نہ تھی۔ اور کیا اس وقت اسلام، اسلام نہ تھا۔ بادشاہت تو ایک ضمنی چیز ہے۔ اگر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھاتے۔ تو مسلمانوں کو بھی تلوار اُٹھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ جب کفار نے تلوار اُٹھائی۔ تو ان کے شر کو روکنے کے لیے تلوار اُٹھانا لازمی تھا۔ اور اس رنگ میں اسلام کو ظاہری غلبہ بھی حاصل ہوگیا۔ اور رسول کریمؐ کو حکمرانی حاصل ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ اگر بادشاہت نہ آتی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کئی کمالات کا اظہار نہ ہوتا۔ اور لوگ آپ کی کئی صفات سے بے خبر اور ناواقف رہتے۔ مثلاً آپ کے رحم، چشم پوشی، سیاست اور اعلیٰ درجہ کا جرنیل ہونے سے۔ لیکن حکومت نے آکر آپ میں یہ صفات پیدا نہیں کیں۔ بلکہ یہ آپ میں پہلے ہی موجود تھیں۔ ہاں اگر آپ کو حکومت نہ ملتی تو دُنیا کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ آپ میں یہ کمالات ہیں۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام حکومت نہیں۔ رُوحانیت ہے۔ اگر رُوحانیت مٹ جائے اور تمام کی تمام حکومتیں مسلمان کہلانے والوں کی ہو جائیں۔ تب بھی اسلام کا اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں اسلام کی طرف منسوب ہونے والی سلطنتوں سے اسلام کی ظاہری عظمت کسی قدر ہوسکتی ہے۔ مگر آج تو یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے نفرت ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان احکام کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ جو اسلام نے دیئے ہیں جب مسلمان کہلانے والوں کا یہ حال ہو۔ تو پھر اگر غیر اسلام سے نفرت کریں، تو ان کو کیا الزام دیا جا سکتا ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ دین کی حالت سے آگاہ ہو کر اس حالت کو بدل دیں۔ اللہ تعالےٰ توفیق دے کہ ہم ان عہدوں کو پُورا کریں۔ جو اس کے نبیوں اور ان کے قائم مقاموں سے کئے ہیں۔ تا خدا تعالیٰ دُنیا میں پھر اسلام کی عظمت کو قائم کر دے۔ آمین۔

(الفضل ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۱۹ء)